اکیسویں صدی میں بلوچستان کی مضمون نگاری پر اردو ادب کی تحریکوں کے اثرات

بی بی تانیہ *

Abstract:

"In 21st century the essay writing in Balouchistan has improved to a considerable extent. There is a variety in the objects taken up. Along with literary topics there are writing on economical, social, cultural, political, religious and spiritual matters. Qalam Qabila is a notable and leading magazine in their respect. This is the one and only magazine to have completed over three decades successfully.The essays have been published in the forms of books as well.Study of these essays reveal that there is a wide influence of literary movements over these essays, written in 21st century, in the region of Balouchistan."

صوفیاء کرام کی تحریک

بلوچستان کے سہ ماہی رسالہ قلم قبیلہ میں یہاں کے مضمون نگاروں،تجزیہ کاروں نے متنوع موضوعات پر مضامین لکھے ہیں۔یہ بلوچستان کا واحد ادبی رسالہ ہے جو پچھلے تین عشروں سے تواتر کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔بلوچستان کے اہل قلم، دانش ورمذکورہ رسالے کے توسط سے اپنی تخلیقات سامنے لا رہے ہیں۔بلوچستان کی غیر افسانوی نثر میں اردو کی پرانی تحریکوں کے اثرات مضامین میں تلاش کیے گئے تو مایوسی نہیں ہوئی۔حالاں کہ اکیسویں صدی کے ادب میں پرانی ادبی تحریکوں مثلاًصوفیاء کرام کی تحریک،فورٹ ولیم کالج کی تحریک کی تعمل پذیری کی توقع ذرا کم تھی۔ان تحریکات میں اقبال شناسی کی تحریک کے اثرات ملنے کے قوی امکانات اس لیے زیادہ تھے کیوں کہ علامہ اقبال قومی شاعر کی حیثیت سے،مسلمانوں کے سوئے ہوئے قلوب کو جگانے اور اپنی انقلابی شاعری کی بدولت تعلیمی اداروں،سیاسی سرگرمیوں اور ادبی و غیر ادبی سیمناروں میں فن خطابت کے لیے مؤثر سمجھے جاتے ہیں۔ سرکاری سطح پراور عملی سطح پر ان کی ترویج بہت ہوئی ہے،ان کے تصورات حیات پر اظہار خیال ہوتا رہا ہے۔البتہ اردو کی دیگر پرانی ادبی تحریکوں کے نشانات کا اب بھی باقی رہنا خوش آئند پہلو ہے۔جب کہ اکیسویں صدی میں وجودیت،جدیدیت اور ما بعد جدیدیت جیسی

---

*اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، سردار بہادر خان وومنز یونیورسٹی کوئٹہ

تحریکات کی موجودگی میں اردو کی پرانی تحریکوں کا ادبی حلقوں میں زندہ رہنا،اصناف نثر میں ان کی شمولیت ان تحریکات کے زندہ وجاوید ہونے کا ثبوت ہے۔

قلم قبیلہ شمارہ ۲۰۰۲ع صفحہ ۸۷تا ۹۷میں شاہ محمد مری کے مضمون'توکلی سے مستیں توکلی تک'میں صوفیاء کرام کی تحریک کے آثار ملتے ہیں۔دراصل ادبی نثرمیں پرانی ادبی تحریکات کی موجودگی اس صورت میں بھی ممکن العمل ہے،جب ادیب کلاسیکی ادب پر قلم اٹھائیں۔شاہ محمد مری جب مری قبیلے کے کلوانی شاخ سے تعلق رکھنے والے شاعر مستیں توکلی پر مضمون لکھیں گے تو ان کی شخصیت کے وہ پہلو ضرور سامنے آئیں گے جو سمو سے عشق کی بدولت نیم دیوانگی اور درویشی کے قالب میں ڈھل گئے۔ عشق چاہے خدا سے ہو یا خدا کے بندوں سے،صوفیاء کرام کا خاص مسلک ہے۔۱۸۵۸ع میں علم وعرفان حاصل کرنے کے مربوط اور منظم ذرائع نہیں تھے تو یہی صوفیاء کرام لوگوں کی ذہنی آبیاری میں مثبت کردار ادا کیا کرتے تھے۔بلوچستان میں علم و عرفان کا شعور مستیں توکلی کے زیر اثر پروان چڑھا۔مصنف اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

> ''سارا ماحول بے علمی،لاٹھی بھینس اور تلوار برادری اور بھوک و افلاس کا تھالے دے کے دور دراز واقع پیروں ولیوں کے درباروں کے دانشور یعنی فقیر،سجادہ نشین اور خلیفہ وغیرہ تھے یا پھر قبیلوں کے سربراہ،ان کے مصاحب اور ان کے اوطاق میں آنے جانے والے فہمیدہ مسافر جہاں نئے خیالات پہ گفتگو اور تبادلہ خیال ہو سکتا تھا ایسے پس منظر میں مست کی اٹھان ہوئی۔ دانش کے انہی مراکز سے ان کی خداداد صلاحیتوں کو بڑھوتری کے مواقع ملے۔''(۱)

مضمون میں مصنف صوفیاء کرام فقیر و سجادہ نشینوں کی شخصیت کے وہ تمام پہلو سامنے لا رہے ہیں جو عوام الناس کی تطہیر کر رہے تھے۔مجذوب کی شخصی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس کے ہاں مجذوبیت کے تحت بدنی طہارت ہو یا نہ ہو روحانی طہارت لازماً ہوتی ہے۔اپنی روحانی کرامات سے وہ عوام الناس کی رہنمائی کرتے تھے۔

امداد نظامی نے قلم قبیلہ شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ع صفحہ ۹۱تا ۹۶ میں 'غالب کا شعور ذات'میں حقیقی فن کار کی فن کاری کو اس کی شخصیت کا آئینہ قرار دیتے ہوئے تقلید کی روش کو فن کار کا ظاہری تشخص اور حقیقی فن کاری کو فن کار کی داخلیت کا پر تو کہا ہے۔ تمہید میں انہوں نے فن کار کی اظہار فن کی باطنی و ظاہری کیفیات پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ صوفیاء کرام اور مذہبی پیشوا اپنی سرمدی شاعری سے روحانی تعلیمات عوام الناس تک پہنچانے کا فریضہ سر انجام دیتے ہیں۔صوفیاء کرام کا تعلق اس طبقے سے ہے جو اپنی شاعری کو روحانیت کے تابع بنا کر اس کے فیوض سے ہر خاص و عام کو بہرہ مند کرتے ہیں۔ایسے بزرگوں میں انہوں نے

شاہ عبدالطیف بھٹائی،سلطان باہو،بلھے شاہ،خواجہ غلام فرید کے نام گنوائے ہیں۔اس فہرست میں خواجہ میر درد کے نام کی شمولیت ہوتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔کیوں کہ خواجہ میر درد نے اپنے عہد میں صوفیانہ شاعری کی بدولت دریا کے دو پاٹوں کو ملانے کا کام کیا،جو کہ ناممکنات میں سے تھا۔وحدت الشہود اور وحدت الوجود کے جھگڑے کو ختم کر کے طریق محمدیؐ کی بنیاد ڈالی۔درد کے والد خواجہ عندلیب نے ایک نیا ضابطہ حیات بنایا تھا جس کا نام ’طریق محمدی‘رکھا۔یہی وہ ضابطہ حیات تھا جس کے فضائل نے میرؔ و سوداؔ کے عہد میں تصوف کے جھگڑوں کو منہا کر کے میانہ روی کی روش کی طرح ڈال دی۔ا س لیے تصوف کے میدان میں جہاں دیگر صوفیاء کرام کی کاوشیں سراہے جانے کے قابل ہیں وہاں خواجہ میر دردؔ اور ان کے خان وادے کی خدمات کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

قلم قبیلہ شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۷ع صفحہ ۴۹ تا ۵۵ میں بیگم ثاقبہ رحیم الدین نے’شاہ عبدالطیف بھٹائی،پیکر محبت‘کے عنوان سے شاہ عبدالطیف کے سندھی کلام’شاہ جو رسالو‘کے اردو نثری ترجمے کے دور رس اور خوش آئند پہلو اجاگر کیے ہیں۔شاہ عبدالطیف بھٹائی صوفی شاعر ہیں۔ان کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ان کی شاعری کا بنیادی وصف وہی ہے، جو دیگر صوفی شعراء کا ہے۔یعنی محبت،عشق اور عشق الٰہی۔ان کا کلام سندھی کلچر کی امین ہے۔کیفیات عشق،واردات عشق،مراحل عشق اور منازل عشق،کیا کچھ ہے جو عشق اور معاملات عشق میں انہوں نے احاطہ تحریر میں لانے کی جستجو نہیں کی۔غرض ثاقبہ رحیم الدین نے اپنے مضمون میں صوفیاء کرام کے تسلسل کی ایک مربوط کڑی شاہ عبدالطیف بھٹائی پر مضمون لکھ کر صوفیاء کرام کی تحریک سے اثر پذیری کا ثبوت فراہم کیا ہے۔لکھتی ہیں:

> ’’یہ سچ ہے کہ دنیا میں بسنے والے اللہ کے دوستوں اور صوفیوں کی زبان اور نگاہ ایک ہوتی ہے۔ان کی روح کا پیغام بھی ایک ہی ہوتا ہے اور وہ اللہ سے عشق اور مخلوق کا بھلا۔مگر عشق کو برتنے کا ڈھنگ اور اظہار عشق کا قرینہ جدا جدا ہوتا ہے۔‘‘(۲)

صوفیاء کرام کی تحریک میں جو چیز معتبر اور قابل عزت جگہ پاتی ہے،وہ ان کی عوامی زبان میں اختلاط اور ارتباط ہے۔بیگم صاحبہ نے بھی شاہ کے کلام کی یہی خصوصیت بیان کی ہے کہ ان کی شاعری کی زبان عوامی ہے اور داستانیں بھی عوامی ہیں۔

قلم قبیلہ شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ع صفحہ نمبر۶۸ ۱تا ۱۷۳میں ڈاکٹر کلیم اللہ صدام نے’رحمن بابا کی پشین آمد‘کے عنوان سے اپنے مضمون میں رحمن بابا کی صوفیانہ شاعری کی پرتیں کھولی ہیں۔ان کی شاعری میں کشف و الہام،وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے مسائل اور اس سلسلے میں ان کی فکری کاوشوں کا احاطہ کیا ہے۔رحمن بابانے اپنے کلام میں فقیری میں شاہی،دنیاوی و آخروی امور کی انجام دہی کے لیے اخلاص،متاع آخرت کی

فکر،حیوانیت اور انسانیت کا تقابل اور انسان کو ذکر خدا کی تلقین،بڑوں کا ادب، چھوٹوں سے شفقت،انسان کے دل کو خدا کا گھر،قرآن کریم کی وسعت اور اس سے فیض حاصل کرنے کی تلقین کی ہے۔رحمن با با کے مجموعہ کلام کا عنوان ’دیوان‘ہے،جس میں اشعار کی تعداد پانچ ہزار بتائی جاتی ہے۔ان کی شاعری میں لذت روحانی ہے۔تصوف ہر عہد میں سائبان کی حیثیت رکھتا ہے۔جہاں قومیت پرستی کی باتیں ہوں،انسانوں کو مختلف فرقوں میں بانٹنے کا رجحان ہو۔جہاں عالمی طاقتیں انسان کا خون پانی کی طرح بہائیں۔سرمایہ ہی سب کچھ ہو۔ایسے میں اس امر کی ضرورت شدت اختیار کر جاتی ہے کہ انسانیت کے دل دادہ،انسان سے محبت کرنے والوں کی تخلیقی کاوشوں کو ابھارا جائے۔اس لیے صوفی شعراء کے کلام کی تشہیر بہ ذریعہ ادب وقت کی اہم ضرورت ہے۔چوں کہ رحمن بابا صوفی شاعر تھے،اس لیے ان کے کلام کی صوفیانہ خصوصیات کا احاطہ کر کے مضمون نگار نے بلوچستان میں صوفیاء کرام کی تحریک کے وہ گوشے وا کیے ہیں جو عوام الناس کی اجتماعی فلاح کے لیے موثر ہیں۔

قلم قبیلہ شمارہ فروری تا اپریل ۲۰۱۳ء صفحہ نمبر ۴۵تا ۴۷میں ڈاکٹر سلطان الطاف علی نے اپنے مضمون ”ہوا،محترمہ ثاقبہ نور کا شعری مزاج“میں بیگم ثاقبہ رحیم الدین کی شاعری میں صوفیانہ فکر کی نشاندہی کی ہے۔ڈاکٹر سلطان الطاف علی کا شمار بلوچستان کے ان ادباء میں ہوتا ہے،جنہوں نے اپنی فکری عوامل کا دھارا تصوف اور مسائل تصوف کی جانب رواں دواں رکھا ہے۔تصوف شناسی کی اسی خداداد صلاحیت سے مغلوب ہو کر انہوں نے ثاقبہ نور کی شاعری کا مطالعہ تصوف کے زاویہ نگاہ سے کیا ہے۔ان کی شاعری اور شخصیت میں محبت،اخوت اور انسان دوستی جیسے مثبت جذبات ان کی اللہ والی ہونے کی دلیل ہے۔ مضمون میں اللہ اور رسولؐ سے عشق حقیقی جیسے اوصاف کی بناء پر ان کی درویشانہ اور فقیرانہ شخصیت کا ذکر ہے۔اسلوب چوں کہ شخصیت ہی کا پر تو ہوتا ہے اس لیے ان کے اسلوب میں بھی روحانیت،الوہیت اور وحدت الوجود کا عکس فکری سطح پر موج زن ہے۔مضمون نگار نے ان کے کلام سے ایسے مضامین بھی یک جا کیے ہیں،جن میں قرآنی آیات کے مفہوم موجود ہیں۔صرف یہی نہیں مضمون نگارنے عرفان احمد بیگ کی کتاب”قلم قبیلہ ایک ادارہ ایک تحریک“کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے قلم قبیلہ ادبی ٹرسٹ کے لیے جس مقام پر بیگم صاحبہ کی خدمات کا ذکر کیا ہے،وہاں ضمنی طور پر ان کی وجدان و عرفان کی کیفیت کے تحت باربار دیار رسولؐمیں حاضر ہونے کی تحسین کی ہے۔

زیر بحث شمارے میں محسن شکیل نے ثاقبہ نور کی کتاب’حسن کی چاہ میں‘پر اپنے تاثرات قلم بند کرتے ہوئے ثاقبہ نور کی شاعری کے صوفیانہ طرز کا مشاہدہ باریک بینی سے کر کے عشق اور روحانیت کے درجات کا

سراغ لگایا ہے۔ان کی تحریروں میں روحانیت قرب الہی،عشق رسول،عقیدت و قربت صوفیاء کرام کی بدولت درجہ بہ درجہ آگے بڑھتا ہے۔ان کا طرز تحریر اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ہمہ وقت عشق الہی اور عشق رسولؐسے سرشار رہتی ہیں۔اس کے علاوہ اولیاء اللہ سے بھی بے پناہ عقیدت رکھتی ہیں۔ان کی کتاب'حسن کی چاہ میں'کا موضوع عشق ہے،جو عشق الہی اور عشق رسولؐ کے منازل طے کرتا ہوا تصوف کی چاشنی سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

وحید زہیرکی کتاب 'بروقت'میں ۱۷ مضامین موجود ہیں۔انہوں نے مضمون'ادب اور سرمایہ دارانہ ترقی'میں ادب کے آفاقی کردار کا تعین کیا ہے۔بنی نوع انسان کی ذہنی و روحانی آسودگی،مشینی دور میں انسان کو مشین بننے سے روکنے کے لیے ادب کی خدمات کا احاطہ کرتے ہوئے مصنف نے سرمایہ دارانہ دور میں ادب کی وسعت پذیری پر سیر حاصل بحث کی ہے۔مصنف فقط ایک سطر میں صوفیاء کرام سے اپنی وابستگی کا اظہار مذکورہ مضمون میں کچھ اس طرح سے کرتے ہیں۔

> ''ادب نے صوفیوں کا کلام دیا،ظلم کے خلاف لڑنے والوں کو ہیرو تسلیم کیا جب کہ اب ڈرون کے پیچھے ریمورٹ،خود کش حملہ آور کے پیچھے ظالم ہیرو کہلاتے ہیں۔''(۳)

یہ مضمون صوفیاء کرام کی تحریک کے مقاصد کا احاطہ مکمل طور پر نہیں کرتا،بل کہ اس کے صرف ایک پہلو کو ظاہر کرتا ہے۔صوفیاء کرام نے بناء کسی مذہبی تخصیص کے سب سے محبت کی اور فیض بانٹا۔ان کے آستانے مرجع خلائق تھے۔ان کے ہاں خویش اور بیگانے کا تصور نا پید تھا۔ خالق کائنات سے لا زوال عشق ہی ان کی مقبولیت کا باعث بنا۔سرمایہ دارانہ دور نے بندوق ہاتھ میں تھما دیا۔ایسے میں ادیب،جس کا تعلق انسانوں کے حساس طبقے سے ہے محبت بانٹنے کے عمل کو بندوق چلانے کے عمل سے زیادہ مستحسن سمجھیں گے۔

مضمون''ادب اور جمہوریت''میں مصنف نے جمہوری نظام حکومت کو ادب کی روح قرار دیاہے۔ادباء و شعراء نے ہمیشہ اپنی تحریروں اور کلام میں جمہوریت کو درست معنوں میں رائج کرنے کا پیغام دیا ہے۔جمہوریت اور ادب کے تعلق کا احاطہ کرتے ہوئے مصنف ایک مقام پر لکھتے ہیں:

> ''جب تک شعر و ادب،جمہوریت یا جمہوری اقدار سے جڑے ہوئے تھے تو ہمارے ارد گرد صوفیاء کرام کی شاعری کا طوطی بولتا تھا۔''(۴)

مضمون ''انسانی حقوق،ادیب وفن کار''میں ادب کو محبت اور انسانیت کا ضامن کہا ہے۔محبت اور انسانیت کا درس ادب میں سب سے پہلے صوفیاء کرام کے توسط سے پھیلا۔جب دنیائے ادب میں دیگر نثری ادب کا فقدان تھا تو صوفیاء ہی کے ملفوظات صنف نثرکی بنیاد بنے۔انسانیت سے محبت کا اولین درس صوفیاء کرام کے ملفوظات سے عام ہوا۔صوفیاء کی تعلیمات عفت قلب و

نگاہ اور اصلاح معاشرہ کے لیے لازم ہیں۔مصنف کی رائے میں اب جب کہ یہ نعرہ زبان زد عام ہے

''صوفیاء راز دان تھے،رازدان ہیں۔ان کا نام ونشان مٹا دو۔ادیب محبت اخلاقیات کے پرچارک ہیں،ان کا نان نفقہ بند کر دو۔طالب علم ان کی محبت کے پیروکار ہیں،انہیں سیاسی الجھاؤ کے دلدل میں پھنسا دو۔''(۵)

ادب کے دروازے بند ہوں یا تنگ ہوں تو انسانی حقوق کی موت بھی خود بہ خود واقع ہو جاتی ہے۔صوفیاء کا مسلک ہے کہ عشق قائم رہے اور پہنچتا رہے تب ہی انسانیت قائم رہ پائے گی۔

مصنف نے مضمون''محبت کی لوریاں،محبت کی زبانیں''میں مادری زبانوں میں صوفیاء کرام کے افکار کا درس دیے جانے کی سفارش کی ہے۔مست توکلی بلوچ صوفی ہیں۔ان کا کلام موجود ہے۔خوش حال خان پشتو میں اورشاہ لطیف سندھی میں روحانی فیض بانٹتے رہے۔مصنف خواہش کرتے ہیں کہ ان صوفیاء کا کلام،ان کی فکری اپج کی ترسیل اور درس و تدریس کا سلسلہ مادری زبانوں کا بھی حصہ بنے تا کہ انتشار کی فضاء ختم ہو۔

اصلاح زبان کی تحریک

اصلاح زبان کی تحریک کو ڈاکٹر جمیل جالبی نے ''ردعمل کی تحریک''کا نام دیا ہے۔اس تحریک میں ہندوستان کی معروف مقامی زبان یعنی کہ اردو میں ہندی کا غلبہ ختم کر کے عربی وفارسی کے مانوس الفاظ و تراکیب شامل کی گئیں۔ بلوچستان میں اکیسویں صدی میں قلم قبیلہ کے مضامین میں عربی وفارسی کے الفاظ و تراکیب کثرت سے مستعمل ہیں۔جن کی کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔امداد نظامی نے''غالب کا شعور ذات''میں ارفع و اعلی،تصنع آمیز، قلبی وواردات۔حکیم بلوچ نے''افضل مراد کی ترنک''میں تشنہ لب،تنہا برہنگی،حسن آفاق،ستر پوشی،سبزہ و گل، کرب ذات،ہر چشم بینا،اور ہمہ رنگی۔ڈاکٹر سلطان الطاف علی نے ''قلم قبیلہ ایک ادارہ ایک تحریک''میں اعلی فراست،الرفیق ثم الطریق،با ایں ہمہ،در خو اعتنا،زود رنجی،صفحہ قرطاس،عالم بے خودی،عرق ریزی، کندہ، کیفیات و انجذاب،ممدومعاون،نیر و زیبائی،وجدان و عرفان۔ پروفیسر صاحب زادہ حمید اللہ نے مضمون ''علامہ عبدالعلی اخوند زادہ''میں کشادہ دست،وسیع المشربی،نابغہ عصر،علمائے عصر،سوز وخلوص۔ڈاکٹر صاحبزادہ کلیم اللہ صدام نے مضمون''اردو ادب کا محسن عطا شاد''میں شہر خرد،لعل بدخشاں،تشنہ طلب، علم خرد،نادیدہ خوشبوؤں،ہست وبود، نا پائیداری،رعنائی و دلکشی،مرحصہ،برجستہ،برحق۔طاہرمحمد خان نے مضمون ''سیاسی شعور کے ارتقاء اور فکری بیداری پر فیض کے اثرات''میں آزردہ،بہیمانہ طلسم،سیمابی احساس،داروگیر،بالادست طبقات۔ تنہا برہنگی،ستر پوشی،ہمہ رنگی،ہر چشم بینا،کرب ذات،حسن آفاق،تشنہ لب،سبزہ و گل۔سیدعابدرضوی نے مضمون'جام

درک‘ میں دیر شناسی،زود فراموشی،عالی نسبی،امتداد زمانہ،معدوم،سوز و گداز،قادر الکلام، زمانہ،تعلی،ملک الشعراء، خدائے سخن۔فیروزہ زیدی نے’’آہ مسز وحیدہ ریاض‘‘میں بے ثبات،مشیت ایزدی،بے بضاحتی،عہد شباب،نام و نمود۔ تصنع آمیز، ارفع و اعلی،قلبی واردات جیسے عربی و فارسی کے الفاظ و تراکیب کے گٹھ جوڑ سے اپنے مضامین کی معنویت میں اضافہ کرنے کے ساتھ ساتھ اصلاح زبان کی تحریک سے بھی مماثلت پیدا کی ہے۔جہاں تک متروکات کا تعلق ہے،مضمون نگاروں نے منیں،سیں،سی،سیی،سوں،کیدھر، اودھر، یاں،واں کو میں، سے، کدھر، ادھر،یہاں،وہاں کی طرح ہی لکھا اور برتا ہے۔مضامین میں قدیم طرز املا کی پیروی نہیں کی گئی۔

فورٹ ولیم کالج کی تحریک

علی کمیل قزلباش کے مضمون ’’ایک تثلیث سحر انگیز اقبال حیدر نمبر‘‘میں مضمون نگار نے تمہید جس طرح سے داستانوی رنگ میں باندھی ہے،اس سے فورٹ ولیم کالج کی تحریک کے اثرات پیدا ہوئے ہیں۔اقبال حیدر نمبر دراصل اقبال حیدر کا ہائیکو نمبر ہے۔سہیل احمد صدیقی نے ہائیکو انٹرنیشنل کے توسط سے ’’اقبال حیدر نمبر‘‘کی تشکیل کی۔لہذا مضمون نگار اقبال حیدر نمبر پر اظہار خیال کرتے ہوئے تمہید میں لکھتے ہیں:

> ’’ایک شہزادہ جسے زندگی کی آسائشوں اور سہولتوں کے باوجود سکون نہیں ملتا اور لمحہ بہ لمحہ کسی شے کی تلاش میں رہتا ہے۔وہ شکاری نہ ہوتے ہوئے بھی شکار کرتا ہے۔ہرن کا شکار کرتا ہے لیکن تسکین نہیں ملی۔آگے بڑھتا ہے اور خوبصورت پرندے کو قید کر لیتا ہے۔‘‘ (۶)

شہزادے کی کہانی صرف اتنی ہی نہیں،آگے جا کر شہزادے کو ایک شہزادی ملتی ہے۔شہزادی اس کا دامن دل کھینچ لیتی ہے۔یہ شہزادی کوئی حقیقی شہزادی نہیں ہے۔مضمون میں شہزادی ہائیکو کی علامت ہے اور شہزادے اقبال حیدر ہیں۔مضمون کے مطالعے سے یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ مضمون نگار کوئی داستان سنانے جا رہے ہیں۔جوں جوں مضمون کی پرتیں کھلتی جاتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہائیکو نگار اور ہائیکو کی بات کر رہے ہیں۔

حکیم بلوچ کا مضمون’’بانک سیمک کے آنسو جو بادلوں نے برسائے‘‘قلم قبیلہ شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ع صفحہ ۸۳تا ۹۰بلوچی کلاسیکی شاعری سے متعلق ایک ایسا مضمون ہے جس میں بابل کے دیو مالائی ادب کے کچھ حصے اور دنیا میں انسان کی آمد و تخلیق سے وابستہ اساطیری کہانی کو بھی بانک سیمک کی عشقیہ کہانی کے پہلو بہ پہلوآگے بڑھایا ہے۔فرانسیسی ادیبہ سیمون دی بوائر کا تجزیہ بھی دنیا میں انسان کے بطن سے انسان کی تخلیق کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔رقص میں منہمک

ہوری نوم کا اپنا چہرہ جنوب سے چلنے والی ہوا کی جانب پھیرنا،باد شمائل کو ہتھیلیوں سے رگڑنے کی صورت میں مہاناگ اوفی جان کا جنم لینا اور پھر ان دونوں کے اختلاط سے تخلیقی عمل کا آغاز پاناجیسے تمام واقعات اساطیری ہیں۔آگے جا کر بابل کے دیومالائی ادب عشتر اور اس کے جوان خاوند کی محبت کی داستان بھی حقیقی دنیا سے ربط پیدا نہیں کرتی۔عشتر کا خاوند طاموس ہر سال مرتا ہے اور عشتر اس کی محبت میں پاتال میں اتر جاتی ہے۔آب حیات کے چھڑکاؤ سے دونوں زندہ ہو جاتے ہیں۔مضمون نگار نے ہوری نوم کا سمندر پر رقص کرنے اور عشتر کا اپنے خاوند کی قربت پانے کے لیے پاتال میں جانے جیسے دیومالائی واقعات کی تمہید سے بانک سیمک کی تخلیق یعنی شاعری کا موازنہ کرتے ہیں۔اس لیے کہ تخلیق کا عمل بھی دکھ سے مشروط ہوتا ہے۔سیمک بلوچی کلاسیکی شاعری میں اپنی وجدانیت کی وجہ سے مشہور ہے۔سیمک کا خاوند نتھا بھی بابل کی دیوی عشتر کے خاوند طاموس کی طرح موت کی گم نام وادی میں ہوتا ہے۔مگر سیمک اپنی وجدانی تصور میں اپنے خاوند کو زندہ پاتی ہے اور اس کا ذکر اس کی شاعری میں موجود ہے۔ حکیم بلوچ لکھتے ہیں:

> ’’کوہ ماران کے اوپر بادلوں کا ظہور۔اس کی گن گرج اور بجلی کی چمک بھی سیمک کے لیے ایسی ہی خوشی لے کر آتی ہے مگر یہ طرب،عام نوعیت کا نہیں خاتون شاعرہ کے لیے پورا ماحول ایک وجدانی کیفیت میں ڈھل جاتا ہے اور فطرت کی ہر چیز اس کے محبوب کا روپ حاضر ہو جاتی ہے۔نتھا کا زندہ سلامت شبیہ اس کے سامنے گوشت و پوست کے انسان کی صورت میں جلوہ افروز ہو جاتا ہے۔‘‘[۸]

مضمون نگار نے سیمک کی تخلیقی قوت یعنی شاعری کا ہوری نوم کی تخلیقی قوت سے اور عشتر کا اس کے خاوند سےبچھڑنے اور پاتال میں جا کر خاوند کو تلاش کرنے کے عمل کا سیمک کی وجدانی شاعری سے تقابل کیا ہے۔دیو مالائی،اساطیری کہانیوں کو مضمون میں بہ طور تمہید شامل کرنے اور موازنہ کرنے کے عمل سے مضمون میں فورٹ ولیم کالج کی تحریک کے اثرات پیدا کیے ہیں۔

ڈاکٹر غلام شبیر رانا نے قلم قبیلہ شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۶ع صفحہ نمبر ۶۹تا ۸۳میں ’’کرنل محمد خان بحیثیت مترجم‘‘میں کرنل محمد خان کی ترجمہ نگاری کا تجزیاتی مطالعہ کیاہے۔تمہید میں ترجمہ،اس کی اہمیت،طریقہ کار اور افادیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے باغ و بہار کا ذکر کیا ہے۔ترجمے کے ذریعے نہ صرف عظیم ادیبوں کی تصانیف دیگر زبانوں میں منظر عام پر آتی ہیں بل کہ اس عمل سے زبانوں کے ادبی سرمائے میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔باغ و بہار دراصل پہلے بھی فارسی میں قصہ چہار درویش اوراردو میں تحسین کی نوطرز مرصع کی صورت میں موجود تھی۔فورٹ ولیم کالج میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے نووارد ملازمین کو ہندوستانی سکھانے کے لیے اس عہد

میں دیگر مقامی زبانوں میں موجود داستانوی ادب کو ہندی میں ترجمہ کیا گیا۔مضمون میں فورٹ ولیم کالج کے حوالے سے مترجم باغ و بہارکاذکر فورٹ ولیم کالج کی ادبی نثر کی کامیابی کی دلیل ہے۔

فورٹ ولیم کالج کی تحریک کا ایک پہلو تو یہی ہے کہ اندر کی فضا داستانوی ہو،دوسری بات یہ ہے کہ زبان مسجع و مقفع ہو۔ایسی نثر ہو جس میں لطف زبان ہو۔اکیسویں صدی میں بلوچستان کے مضمون نگاروں میں حکیم بلوچ اور وحید زہیر نے اپنے مضامین میں عمدہ الفاظ کا استعمال کیا ہے۔حکیم بلوچ کے مضمون'بانک سیمک کے آنسو جو بادلوں نے برسائے'قلم قبیلہ شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ع صفحہ ۸۳ تا ۹۰ سے بہ طور مثال اقتباس کچھ اس طرح سے ہے:

> ''اس کو پیر رکھنے کے لیے کوئی ایسی شے نہ مل سکی جس کی مادی حقیقت ہو تب اس نے سمندر کو آسمان سے علیحدہ کر دیا۔اور تنہا اس کی لہروں پر رقصاں رہی جب رقص کرتے ہوئے اس نے اپنا رخ زیبا جنوب کی جانب پھیرا تو اس طرف سے ہوا چلنا شروع ہوئی۔یہ بالکل نیا مظہر تھا اور اسی لمحہ تخلیق کا عمل شروع ہوا باد شمائل کو جب اس نے اپنی ہتھیلیوں کے بیچ رگڑا تو مہا ناگ اوفی جان نے جنم لیا۔''(۸)

وحید زہیر نے اپنے مضامین میں مسجع و مقفع عبارتیں تحریر کر کے فورٹ ولیم کالج کی تحریک سے مماثلت پیدا کی ہے۔مضمون ادب اور سرمایہ دارانہ ترقی،ادب اور جمہوریت،انسانی حقوق ادیب و فن کار،ادب کا سیاسی اظہار آخری پناہ گاہ،محبت امن عالم،محبت کی لوریاں محبت کی زبانیں،انتشار فتنہ و بربادی،زندہ زمانے کی ضمانت اور نوجوان اور جدید علمی تقاضے میں مصنف نے شاعرانہ نثر تخلیق کر کے نثر میں وہ چاشنی پیدا کی ہے جو فورٹ ولیم کالج کی ادبی نثر کی وجہ پہچان بنی۔مضمون ''نوجوان اور جدید علمی تقاضے''میں لکھتے ہیں:

> ''جوانی شاخ زیتون ہے،اسی میں ذوق مجنوں ہے،بے ربط زندگی اس میں،کمال روشنی اس میں،اس کی خوشبو الگ،اس میں جادو الگ،آرزو بھی الگ،جستجو بھی الگ،اس میں روئیدگی اور نمو بھی الگ،خود سے ملتا رہے خود میں پلتا رہے،خود کو لکھتا رہے اور پڑھتا رہے،بس یہ تسخیر میں آگے بڑھتا رہے،وقت سے پہلے ہرگز نہ ڈولتا رہے۔''(۹)

علی گڑھ تحریک

سر سید احمد خان نے اپنی زندگی میں گوناگوں مسائل سے قلم کے ذریعے مقابلہ کیا،وہ مسلم قوم کے ہمدرد تھے اور انہیں تعلیم اور سیاست کے میدان میں کامیاب دیکھنا چاہتے تھے۔ادب برائے زندگی کے قائل تھے۔ان کی اصلاحی تحریک نے ان کے اپنے دور میں میں اور ان کے بعد کے ادوار میں بہت سے ادیبوں کو متاثر کیا۔محمد عمران ہاشمی نے مضمون ''اقبال اور اتحاد بین المسلمین''صفحہ ۵۹ تا ۶۳میں اتحاد اسلامی کی تحریک کی گراں قدر

خدمات کے سلسلے میں سر سید احمد خان اور ان کے رفقاء کی تعلیمی خدمات اور مذہبی تفکر کو عقیدت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔سر سید احمد خان اور ان کے رفقاء نے تعلیمی پالیسیز کے ذریعے اتحاد بین المسلمین کے لیے راہ ہموار کی اور مسلمانوں کو جہالت کے اندھیروں سے نکالنے کی سعی بھی کی۔سر سید احمد خان اوران کے رفقائکے قائم کردہ انہی خطوط پر آگے جا کر علامہ اقبال نے بھی عظیم اتحاد مسلمین کی بنیاد ڈالی۔مسلمانوں کو بہ حیثیت مسلمان قوم کے اکھٹا کرنا،ان کی تعلیمی میدان میں کمزوریوں کی نشاندہی کرنا،اور ان کے عزائم کی بلندی کے لیے عظیم و لا فانی مقصد کا آغاز سر سید ہی نے تحریک علی گڑھ کے ذریعے کیایہی وہ بنیادی پلیٹ فارم ہے جس نے بعد کے مفکرین کے لیے مشعل راہ کا کام کیا۔مضمون میں اتحاد عالم اسلامی کی تحریک کے سلسلے میں برصغیر میں سر سید کی تحریک علی گڑھ کے توسط سے تعلیمی اور مذہبی کاوشوں کا اعتراف مضمون نگار نے کیا ہے۔اتحاد بین المسلمین کے سلسلے میں خشت اول رکھنے میں سر سید احمد خان اور ان کے رفقا خاص کی خدمات فراموش نہیں کی جا سکتیں۔

اقبال شناسی کے اثرات

مفکر مشرق،علامہ محمد اقبال کے فلسفیانہ موضوعات عالمی سطح کے ہیں،جن میں ملی و قومی مسائل کا احاطہ بھی دانش ورانہ انداز میں کیا گیا ہے۔اقبال کے فلسفیانہ افکار اکیسویں صدی میں بھی ادبی،سیاسی،معاشی اور اقتصادی مسائل کے بیان اور ان کے حل کے سلسلے میں زبان زد عام ہیں۔بلوچستان کی اکیسویں صدی کے ناول اور افسانے کی بہ نسبت مضامین میں اقبال کی تحریک کے اثرات زیادہ مستحکم اور ہمہ گیر ہیں۔

قلم قبیلہ شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ع میں طاہر محمد خان نے"سیاسی شعور کے ارتقاء اور فکری بیداری پر فیض کے اثرات"صفحہ نمبر ۵۰تا ۵۵میں فکر فیض کے حوالے سے جمہوریت،شوشلزم،امن،تعصب،شہری حقوق،بھوک،بیماری اور ناداری جیسے عوامل پہ لکھا ہے۔اس میں شک نہیں کہ مثبت قوانین کا نفاذ ملکی سلامتی کے لیے ضروری ہے اور کسی بھی ملک کے سیاسی شعور کے ارتقاء اور سیاسی بیداری کے ضمن میں ادباء کا کردار بہت اہم ہے۔فیض بھی ان ہی شعراء کے صف میں نمایاں ہیں جنہوں نے ترقی پسند افکار کے ذریعے عوام میں ریاست اور ایک آزاد ریاست کو کیسا ہونا چاہیے؟اس سمت میں درست رہنمائی کی۔تا ہم فیض صاحب سے پہلے ایک اور بھی ایسی شخصیت ہیں، جنہوں نے اردو شاعری میں جمہوریت،سوشلزم، فاشزم اور آمریت جیسے عالم گیر موضوعات پر اظہار خیال کر کے سیاسی شعور پیدا کرنے میں اولیت کا درجہ حاصل کیا۔مذکورہ مضمون فیض صاحب کے فکری شعور سے متعلق ہے،مگر مضمون میں جمہوریت اور شوشلزم کو ریاست کے نفاذ اور ملکی سلامتی کے

لیے اہم گردانتے ہوئے فکر فیض کے تناظر میں احاطہ تحریر میں لایا گیا ہے۔جمہوریت اور شوشلزم کا ذکر جہاں بھی ہو،پڑھتے ہی ذہن سب سے پہلے فکر اقبال کی طرف محو ہو جاتا ہے۔اس لیے کہ ان موضوعات کی جڑیں فکر اقبال سے وابستہ ہیں۔فیض کی شاعری میں ان عالمی مسائل کی موجودگی بھی فکر اقبال سے اخذ و مطالعہ کا نتیجہ ہے۔شیخ عبدالقادر 'بانگ درا'کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

''کسے خبر تھی کہ غالب کے بعد ہندوستان میں دوسری بار ایک ایسی شخصیت جنم لے گی جو اردو شاعری کے بت میں ایک نئی روح ڈال دے گی۔اور اس کے توسط سے ایک بار پھر فہم اور فکر کی روشنی ہر سو پھیلے گی۔''(۱۰)

قلم قبیلہ کے اسی شمارے میں پروفیسر صاحبزادہ حمید اللہ'علامہ عبدالعلی اخوند زادہ'کے عنوان سے صفحہ ۵۹تا ٦٧میں علامہ عبدالعلی اخوند زادہ کی علمی کاوشوں کا ذکر کیا ہے۔مضمون میں ان کی شخصیت،مصلحانہ کاوشوں،سیاسی اور فلسفیانہ افکار کا تجزیہ کیا ہے۔آخوند زادہ عبدالعلی کے افکار شعری سے آگاہی ان کے قلمی دیوان 'شاخ گل'سے ہوتی ہے۔مضمون میں ان کی پشتو شاعری سے اشعار کا انتخاب کر کے مضمون نگار نے ان کا اردو ترجمہ پیش کیا ہے۔ان اشعار میں ایک شعر کا فکری پس منظر اقبال کی تحریک سے متاثر ہے،جو کچھ اس طرح سے ہے:

''جب دل پر عشق کا عمل ہوا تو عقل اس کی چوکیداری کر رہی تھی۔مگر عشق نے تو سب سے پہلے پہریدار اور پاسبان کو لوٹا یعنی عقل دھری کی دھری رہ گئی اور دل عاشق ہو گیا۔'' (۱۱)

قلم قبیلہ کے زیر بحث شمارے میں عرفان الحق صائم نے 'ابوالاثرحفیظ جالندھری ایک مطالعہ'صفحہ ۱۱۳تا ۱۱۷میں حفیظ کی حقیقی،رومانوی اور اصلاحی شاعری کے حوالے سے اظہار خیال کیاہے۔ حفیظ کی اقبال پرستی کے حوالے سے بھی مذکورہ مضمون میں تین،چار لائنوں میں اپنی آراء پیش کی ہے۔اقبال کی شاعری کا اثر اس قدر توانا ہے کہ مضمون نگار اقبالؔ کے اثرات شاعری سے پہلو تہی کر ہی نہیں سکتے،خواہ وہ کسی بھی موضوع پر ہو۔البتہ زیر بحث شمارے میں 'بلوچی ادب اور علامہ اقبال'کا موضوع مکمل طور پر اقبالؔ کی تحریک سے مماثل ہے۔اس مضمون میں علامہ اقبال کی عظیم شاعرانہ افکار کی وسعت کا برملا اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر علی دوست نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مقامی زبانوں میں علامہ اقبال پر تنقیدی و تجزیاتی نوعیت کی کتابیں لکھی گئی ہیں۔بلوچی زبان و ادب میں میر مٹھا خان مری نے 'درگال'میں علامہ اقبال کی زندگی، شاعری او رفلسفے کے پہلو اجاگر کیے ہیں۔اس کتاب کے خالق کو ایوارڈ سے بھی نوازا گیا اور یہ علامہ اقبال جیسے عظیم قومی شاعر کو خراج تحسین پیش کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

مضمون نگار نے غوث بخش صابر کی اقبالیات کے حوالے سے

خدمات کا ذکر کیا ہے۔جنہوں نے ’دوشپگین‘میں اقبال کے چیدہ چیدہ کلام کا ترجمہ کرکے شائع کیا ہے۔ملک محمد طوقی نے ’بوڑھے بلوچ کی نصیحت‘کا بلوچی ترجمہ کیا۔اس کے علاوہ ’لعلِ لقا‘میں غوث بخش صابر نے اقبال کی زندگی اور فکر وفن کو موضوع بنایا ہے۔ڈاکٹر علی دوست نے اپنے مضمون میں بلوچ ادباء کی اقبال سے محبت اور کلام اقبال کی اہمیت کے حوالے سے ان کی دلچسپی کے زاویوں کو مد نظر رکھ کر بلوچی تراجم کے متعلق آگاہی فراہم کی ہے۔

وحید زہیر کا مضمون’علامہ اقبال ان بریکٹ‘صفحہ ۱۲۹تا ۱۳۱ اپنے مباحث کی نوعیت کے اعتبار سے منفرد مضمون ہے۔مضمون نگاروں نے اقبالیات کے ماہرین پر اعتراض کیا ہے کہ اقبال کو خودی و بے خودی کے فلسفے،قومی و ملی شاعری میں ان بریکٹ کر دیا گیا ہے۔اقبال عاشق تھے،ان کی عاشقانہ شاعری کو ملحوط خاطر نہیں رکھا گیا۔قومی شاعر کا لیبل لگا کر ان کی فکرکو قوم و ملت کے فلاح و بہبود یا مذہبی موشگافیوں تک ہی محدود کر دیا گیا۔لکھتے ہیں:

> ”اس کی فکر کو سیاسی سرحدات تک محدود کیا گیا۔وہ تشریح میں انسان تھے۔ترجمے میں محض پاکستانی بنا دیے گئے۔علامہ اقبال نے اپنے ملک میں سب کے حصے کی نظم گوئی کی لیکن اقبال کے ٹھیکیداروں نے اسے کمائی کا ذریعہ بنا کر اس کی نظم گوئی کے حصے داری میں غفلت سے کام لیا۔“(۱۲)

’ملک میں سب کے حصے کی نظم گوئی‘سے مضمون نگار کا اشارہ اگر متحدہ ہندوستان کی طرف ہے تو اقبال نے ’رام‘پر نظم لکھی۔ترانہ ہندی بھی ان کی مشہور نظم ہے۔’ہندوستانی بچوں کا قومی گیت،سوامی رام تیرتھ،نانک میں ہندوستان کی سر زمین اور شخصیات کی عظمت کے گن گائے ہیں۔مغرب میں شکسپیئر،مسولینی،لینن پر نظمیں لکھ کر یہ ثابت کیا کہ وہ فقط ایک ہی مذہب،تہذیب یا جغرافیائی حدود میں مقید نہیں ہیں۔وہ وسیع المشرب انسان اور شاعر تھے۔اگر مضمون نگار کا اشارہ ’ملک میں سب کے حصے کی نظم گوئی‘سے موجودہ پاکستان کی طرف ہے تو بھی یہ مسلمات میں سے ہے کہ اقبالؒ نے خوشحال خان خٹک،پنجاب کے پیر زادوں سے،بڈھے بلوچ کی نصیحت اپنے بیٹے کو لکھ کر پاکستان کی باسیوں کو بھی بارہا اپنی شاعری میں مخاطب کیا ہے۔یہ اور بات ہے کہ اس زمانے میں جب اقبال یہ سب لکھ رہے تھے،تب پاکستان کا وجود نہیں تھا۔پاکستان ایک خواب تھا۔آج اس خواب کی تعبیر ہمارے سامنے ہے تو مصنف کو افسوس ہے کہ اقبالؒجیسے قادر الکلام کو ”سرکاری شاعر“کے طور پر محدود کیا جا رہا ہے۔ان کے فکری تسلسل کو روکا جا رہا ہے۔یہ مضمون اقبال شناسی کی تحریک سے اس طور مماثلت پیدا کرتا ہے کہ مضمون میں اول تا آخر اقبال کی انسان دوستی،فکری وسعت اور موجودہ عہد میں اقبال کی لامحدودیت کو محدود کرنے کے حوالے سے اپنی

آراء کا اظہار کرتے ہوئے اقبال شناس مفکرین سے اختلاف کیا ہے۔

قلم قبیلہ شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ع میں روبینہ بٹ کی ''بارش میں دھوپ''صفحہ ۱۴۰تا ۱۴۳میں شگفتہ سر مست کا مضمون موجود ہے،جس میں عورت کی مظلومیت اور مرد کی بالادستی کے موضوع پر افسانے تحریر کیے گئے ہیں۔مضمون نگار نے اپنے مضمون کے آغاز ہی میں عورت سے وابستہ علامہ کا مشہور و معروف مصرع تحریر کیا ہے کہ ؎وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ۔اقبال نے عورت کے وجود کو کائنات کے مظاہر و تصاویر میں اس رنگ سے تعبیر کیا ہے جس کے نہ ہونے سے سب کچھ بے رنگ اور پھیکا ہو جائے گا۔بعد ازاں مضمون نگار نے روبینہ بٹ کے افسانوی مجموعے سے متعلق عورت کی زندگی کی اندوہ ناک تصاویر پر تبصرہ کیاہے۔

قلم قبیلہ شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ع میں امداد نظامی نے ''غالب کا شعور ذات''صفحہ ۹۱تا ۹۶میں شعوری یا تقلیدی فن کاراور حقیقی اور تخلیقی فن کار کا فرق واضح کرتے ہوئے تین سطروں میں اقبال کی شاعری پر اظہار خیال کیا ہے۔انہوں نے اقبال کو شعری افکار و پیغام اور خداداد تخلیقی صلاحیتوں کی بناء پر بے مثل شاعر قرار دیا ہے۔

قلم قبیلہ شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ع میں محسن شکیل نے اپنے مضمون ''صابر ظفر''صفحہ نمبر ۱۸۳تا ۱۸۷میں ان کی شاعری،فکری ارتقاء،فلسفیانہ رجحان پر اظہار خیال کرتے ہوئے ایک مقام پر ان کے تصور عقل و عشق کی تفہیم میں اقبال کا شعر پیش کیا ہے۔صابر ظفر کی شاعری میں بھی عشق اعلی و ارفع مقام پر فائز ہے۔بدنی تقاضوں سے با لا تر ہے اور الوہی درجہ رکھتا ہے۔

سہ ماہی قلم قبیلہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۶ع صفحہ نمبر ۶۵تا ۶۷میں علی بابا تاج نے علامہ اقبال کی فارسی کتابوں کے عنوانات،موضوعات اور سن اشاعت سے متعلق معلومات فراہم کرنے کے لیے 'علامہ اقبال کی فارسی کتابوں کا مختصر جائزہ کے عنوان سے مضمون لکھا ہے۔اقبال کے پندرہ ہزار اشعار میں سے نو ہزار اشعار فارسی زبان میں ہیں اور اقبال فارسی زبان کو شیرینی اور مٹھاس کی بدولت اردو پر زیادہ فوقیت دیتے تھے۔چوں کہ مذکورہ مضمون اقبال کی فارسی شاعری کا خراج تحسین ہے،اس لیے مضمون پر اقبال شناسی کی تحریک کے اثرات نا گزیر ہیں۔

افشاں قاضی کا مضمون ''پروفیسر سعید احمد رفیق کی خدمات''صفحہ ۸۵ تا ۱۰۱میں ان کی جائے پیدائش، آباؤ اجداد،آبائی علاقہ اور ابتدائی تعلیم و تربیت کے حوالے سے معلومات فراہم کرنے کے علاوہ مضمون نگار نے ان کی کتابوں کا تحقیقی تجزیہ بھی کیا ہے۔مضمون نگار نے بتایا ہے کہ چوں کہ وہ صرف ماہر تعلیم،محقق اور نقاد ہی نہ تھے،بل کہ فلسفی بھی تھے اس لیے وہ اقبال سے بھی بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔''اقبال کا نظریہ اخلاق''مصنف

کی آٹھ ابواب پر مشتمل ایک ایسی کتاب ہے جس میں انہوں نے فلسفہ خودی کے تناظر میں اقبال کے نظریہ اخلاق کی وضاحت کی ہے۔افشاں قاضی لکھتی ہیں۔

''سعید احمد رفیق،اقبال کے ان پرستاروں میں سے ایک ہیں جنہوں نے اقبال کی فطری سطح کو سمجھتے ہوئے ان کے فلسفہ و فن کی روح کو سمجھا اور صحیح معنوں میں ان کے فکر و فن کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔سعید احمد رفیق فلاسفی کے استاد ہیں اور اس موضوع پر وسیع مطالعہ رکھنے کے سبب اقبال کی تعلیمات اور ان کی شاعری نے بھی انہیں اپنی طرف متوجہ کیا۔''(۱۳)

مذکورہ شمارے میں مسز مبارکہ حمیدنے 'محشر رسول نگری کی نظم نگاری' صفحہ ۱۰۳تا ۱۱۳کے حوالے سے مضمون تحریر کیا،جس میں انہوں نے محشر رسول نگری کی نظم نگاری کے فکری اور فنی عوامل ابھارے ہیں۔مضمون کے مطالعے سے اس حقیقت کی طرف رسائی ملتی ہے کہ اقبال شناسی کی تحریک کے اثرات اکیسویں صدی کے مضامین پر نہایت قوی ہیں۔مذکورہ مضمون بھی اول تا آخر اقبال کے اثرات سے پر ہے۔محشر رسول نگری کی شاعری کے حوالے سے لکھے گئے مضمون میں ان کا نظریہ عشق،مرد مومن،نظریہ جمہوریت،مغربی تہذیب کے متعلق تصورات،تصور خیر و شر،مسلمانوں کے زوال کی وجوہات اور اسلاف کے کارنامے، سب پراقبال شناسی کی تحریک کا غلبہ ہے۔ان کی نظم'عالم انسانی سے جبرائیل کا خطاب' اقبال کی نظم'ابلیس کی مجلس شوری' کے طرز پر لکھی گئی ہے۔مغرب کی تقلید کو بھی مسلمانوں کے لیے مہلک قرار دیتے ہیں۔نظم'مسلمانی' میں یہ فکر آشکار ہے کہ مسلمانوں کو قرآن کی تعلیمات کی مطابق چلنا چاہیے۔محشر رسول نگری کی تصنیف'تیغ و قرآن'کلام اقبال اور فکر اقبال کے تناظر میں لکھی گئی تصنیف ہے۔ان کی نظموں کے عنوانات بھی اقبال کی نظموں کے عنوانات سے قریب ترہیں۔مثلاً اسلام اور مسلمان،نغمہ سحر،سیاست زدہ مسلمان سے، ابلیس،عالم انسانی سے جبرائیل کا خطاب وغیرہ۔(۱۴) قلم قبیلہ شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۷ع صفحہ ۵٦تا ۸۰میں طاہر محمد خان نے اپنے مضمون 'جوش فکر و فلسفہ' میں جوش کی تعقل پسندی کو ان کی شاعری اور فکرکا سب سے اہم پہلو قراردیا ہے۔مضمون کے آغاز میں عقل و عشق کے فلسفے پر اقبال کے نقطہ نگاہ کے مطابق بحث کی ہے۔اقبال سے قبل بھی شعراء نے عقل کی کارفرمائی کو نا قص قرار دیامگر اقبال نے تصور عقل و عشق کو فلسفیانہ نکتہ نظر دیکھا اور پرکھا ہے۔انہوں نے عقل سلیم کی بہ جائے جس بصارت کی بات کی ہے،اسے وجدان یعنی روحانی بصیرت سے تعبیر کیا ہے اور ان کا تصور عشق صوفیاء کرام کے تصور عشق سے مماثل ہے۔

قلم قبیلہ شمارہ اپریل ۲۰۱۰ع میں غوث بخش صابر کا مضمون 'علامہ

اقبال اور بلوچستان'کے عنوان سے صفحہ ۳۸تا ۴۶میں شائع ہوا ہے۔انہوں نے علامہ اقبال کی شاعری سے وہ استعارات،تشبیہات اور الفاظ، تراکیب و مرکبات تلاش کیے ہیں،جن میں بلوچستان کی سر زمین کی جھلک نظر آتی ہے۔مضمون کی غرض وغایت یہ ثابت کرتی ہے کہ بلوچستان کا ادب اقبال شناشی کے حوالے سے زرخیز ہے۔بلوچستان کے ادباء نے اقبال پر ہر پہلو سے کام کرنے کی طرح ڈالی ہے۔شاعر مشرق کا حق سر زمین بلوچستان کے حوالے سے ادا کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی اور تعصب کا مظاہرہ نہیں کیا۔

> ''اقبال کا یہ جوہر فکر و فن بلوچستان کے بلند و بالا کہساروں تہہ در تہہ چٹانوں،طویل و عریض صحراؤں میں بہ خوبی دیکھی جا سکتی ہے کیا یہ بلوچستان کی سر زمین کا تعارف نہیں کہ حکیم الامت علامہ اقبال فرماتے ہیں۔ ؎فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی؍یا بندۂ صحرائی یا مرد کہستانی۔''(۱۵)

شعر میں بندۂ صحرائی اور مرد کہستانی سے غوث صابر بلوچستان کے صحرائی اور پہاڑی علاقوں،یہاں کے جفا کش باشندوں کا تصور کرتے ہوئے مذکورہ بالا شعر کی بنیادی فکربلوچستان کی سر زمین سے قریب تر خیال کرتے ہیں۔اس کے علاوہ بھی انہوں نے کلام اقبال سے مثالیں پیش کی ہیں۔''بوڑھے بلوچ کی نصیحت تو ہے ہی بلوچستان کی سر زمین اور بلوچ قوم سے وابستہ نظم،اس کے علاوہ انہوں نے نظم ''ساقی نامہ''سے بھی مثالیں پیش کی ہیں۔نظم میں دامن کہسار،جوئے کہستان،رکے جب تو سل چیر دیتی،جیسی تراکیب بلوچستان کے دروں کی تصویر پیش کرتی ہیں۔بلوچستان میں بھی جب بارش ہوتو پہاڑی دروں میں پانی کا بہاؤ بڑھ جاتا ہے۔غوث بخش صابر کے بہ قول اہل بلوچستان اس لیے اقبال کو محبوب ترین شخصیت مانتے ہیں کیوں کہ انہوں نے اپنی شاعری میں اس دور افتادہ بیابانوں،پہاڑوں اور کہساروں کی سر زمین کو فراموش نہیں کیا۔انہوں نے مختلف عہد میں بلوچستان میں علامہ اقبال کے دوروں کا بھی ذکر کیا ہے۔مضمون نگار نے مضمون میں تاریخی معلومات بھی فراہم کی ہیں کہ علامہ اقبال دو مرتبہ بلوچستان تشریف لائے۔ایک مرتبہ اپنے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کے حق میں مقدمہ لڑنے ریاست قلات آئے اور دوسری مرتبہ شاہ افغانستان نادر شاہ کی دعوت پر واپسی پر قندھار کے راستے سے ہوتے ہوئے کوئٹہ سے براستہ لاہور گئے۔یہ واقع ۲۱جون ۱۹۲۱ع کا ہے۔اس لیے یہ تو کہا نہیں جا سکتا کہ اقبال نے کبھی بلوچستان دیکھا نہیں تو اس کی شبیہ ان کی آنکھوں میں کیسے اتر سکتی تھی؟غوث بخش صابر کے مضمون پر اقبال شناسی کی تحریک کے اثرات نہایت واضح ہیں۔

قلم قبیلہ کے زیر بحث شمارے میں علی بابا تاج کا مضمون بہ عنوان'امیر محمد امیر کی فارسی شاعری'صفحہ ۶۳تا ۴۷ شائع ہوئی۔دونوں اطراف کے ملا کر کل ۶۱ صفحات پر مشتمل اس طویل مضمون میں انہوں نے امیر محمد امیر کی فارسی شاعری کا فکری جائزہ لیتے ہوئے اقبال سے ان کی

فکری مماثلت پر اظہار خیال کیا ہے۔امیر محمد امیر کے فارسی مجموعے'کاس الکرام'سے انہوں نے ایسے اشعار منتخب کر کے پیش کیے ہیں جن سے اقبال کے تصورات حیات خصوصاََتصور عقل وعشق،مغربی تہذیب و تمدن،تصور خیر وشر کے موضوعات سے ان کے کلام میں اشتراک کے پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔تصور عقل و عشق میں نہ صرف اقبال بلکہ پیر رومی سے بھی ان کی مماثلت ظاہر کی ہے۔اس کے علاوہ انہوں نے ایک نظم بہ عنوان'اقبال'لکھ کر اقبال سے اپنی عقیدت کا اظہار بھی کیا ہے اور بیسویں صدی کی اس روایت کے تسلسل کو بھی قائم رکھا ہے جسے اقبال پرستی کا رجحان کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔

قلم قبیلہ شمارہ ۲۰۰۸ع صفحہ ۵ تا ۱۲میں پروفیسر سعید احمد رفیق کا مضمون'وجودیت'وجودیت کے نظام فکر،بانیان اور فلسفے کی تشہیر و تفہیم پر مشتمل ہے۔اس مضمون میں ایک مقام پر انہوں نے یہ موقف ظاہر کیا ہے کہ:

> ''اقبال کے یہاں بھی ہمیں کچھ ایسے اشارے ملتے ہیں کہ ان کا مطالعہ وجودیت کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے۔''(۱۶)

دراصل وجودی فلسفہ فکر کے حامی عقل پرستی کے خلاف ہیں۔اس کے علاوہ سائنسی رہنمائی کی انسانی زندگی میں شمولیت پر بھی احتجاجی رویہ اختیار کرتا ہے۔وجودیت کے یہی اہم اور فکری نظام کی تشکیل کلام اقبال سے بھی ثابت ہے۔اس کے علاوہ وجودی انسان خود کو کس طرح ڈھالتا ہے؟اس کی ذمہ داری فرد پر ہی عائد کرتے ہیں۔بہ الفاظ دیگر وجودی تقدیر کو نہیں مانتے بلکہ تدبیر کو برتر خیال کرتے ہیں۔اقبال کے کلام میں بھی یہی فکری رویہ موجود ہے۔

قلم قبیلہ شمارہ فروری تا اپریل ۲۰۱۳ع صفحہ ۳۸تا ۵۲میں محسن شکیل نے اپنے مضمون ثاقبہ نور کی کتاب'حسن کی چاہ میں'ثاقبہ کی شاعری میں عشق الٰہی،عشق رسول اور تصوف سے ان کی روحانی نسبت کا ذکر کرتے ہوئے اقبال کی شاعری سے مثالیں دی ہیں۔سعید احمد رفیق کا مضمون'فن مستقبل میں'صفحہ ۶۲تا ۷۷ میں انہوں نے مختلف علوم کی موجودہ عہد میں ترقی اور اہمیت کے حوالے سے بات کی ہے۔سائنس اور معاشیات کی بڑھتی ہوئی ترقی نے کیا ادب کے معیار کو گھٹایا ہے؟ان کا کہنا ہے کہ زندگی میں فن اور ادب نہ ہو تو ذائقہ نہیں رہتا۔شعر وادب ہی انسان کے لیے تزکیہ نفس کے بہترین عوامل ہیں۔دنیا کے کامیاب ترین انسانوں کے حوالے دے کر انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ ذوق لگن اور احساس ہی وہ قوی محرکات ہیں جو مقصد کے حصول کے لئے ممیز کا کام کرتے ہیں۔ایسے ہی کامیاب لوگوں میں انہوں نے اقبال کا بھی نام گنوایا ہے۔اقبال فقط فلسفی ہوتے،شاعر نہ ہوتے تو ان کے افکار میں درد و کرب کی کیفیت کہاں سے آتا؟وہ فقط فلسفے کی کتابیں لکھتے، زیادہ سے زیادہ فلسفے کے دو چار طالب علم ان کی کتابیں

پڑھتے۔آج وہ قومی شاعر کے رتبے پر فائز ہیں۔نوجوانوں کا خون ان کے کلام سے گرما جاتا ہے۔ایسا اس لیے ہے،کیوں کہ ان کے فلسفیانہ افکار میں احساس کا پہلو نمایاں ہے۔

قلم قبیلہ کے اسی شمارے میں ڈاکٹر فاروق احمد کا مضمون'ادب اور امن عالم'صفحہ ۱۰۶تا ۱۱۱میں اقبال شناسی کے اثرات اس طور سے واضح ہوتے ہیں کہ مضمون نگار نے امن کے قیام کے لیے آمریت کے وجود کو خطرہ قرار دیا ہے اور جمہوریت کو بھی حکمرانوں کی مکارانہ سازش قرار دیا ہے۔امن کے قیام کے لیے عمومی رائے یہ ہے کہ تعلیم کے ذریعے شدت پسندی میں کمی پیدا کی جائے۔ مگر مضمون نگار تعلیمی نظام سے بھی مطمئن نہیں ہیں۔ان کا یہ فکری رویہ اقبال کے اثرات کا نتیجہ ہے۔اقبال بھی اپنے عہد کے تعلیمی نظام سے نالاں تھے جو ان کے شاہین بچوں کو کر گس بنا رہی تھی۔اسی شمارے میں 'ڈاکٹر فاروق احمد سخن سنج'کے عنوان سے ڈاکٹر سلطان الطاف علی نے ڈاکٹر فاروق احمد کی یاد میں صفحہ ۱۱۹تا ۱۲۱میں مضمون تحریر کیا ہے۔چوں کہ یہ مضمون تاثراتی نوعیت کا ہے،اس لیے اس میں کسی بھی تحریک کے اثرات نہیں ہیں۔البتہ ایک مقام پر انہوں نے تین چار سطروں میں ڈاکٹر فاروق احمد کی علامہ اقبال سے انسیت اور اقبال شناسی کا ذکر کیا ہے۔

فیصل احمد نے اپنے مضمون 'گل خان نصیر کی فارسی شاعری'میں گل خان نصیر کی شاعرانہ فکر میں اقبال شناسی کی تحریک کے اثرات تلاش کیے ہیں۔گل خان نصیرنے شاعری میں بہ حیثیت مصلح وہی کردار ادا کیا جو امت مسلمہ کے ذیل میں اقبال کا ہے۔بیسویں صدی کے شعراء و ادیب ویسے بھی اقبال سے فکری و اسلوبیاتی لحاظ سے بے حد متاثر تھے۔انہوں نے اپنے مضمون میں گل خان نصیر کی فارسی شاعری سے جو مثالیں دی ہیں،ان کے مطالعے سے ان دونوں کی شاعری میں فکری اور اسلوبیاتی سطح پر مماثلت سے انکار نہیں ہے۔انہوں نے اپنی کتاب"بلوچستان کا ادبی تناظر"میں اپنے مضمون"قیام پاکستان سے قبل کی اردو شاعری میں بلوچستان"میں قیام پاکستان سے قبل کے بلوچستانی اردو شعراء کی شاعری پر اقبال کے کلام کے اثرات کے حوالے سے اظہار خیال کیا ہے۔بیسویں صدی میں سیاسی بیداری کی جو لہر اٹھی،اس ضمن میں وہ افراد جنہوں نے اقبال کے طرز کو بہ طور خاص اپنایا ان میں یوسف عزیز مگسی،محمد حسین عنقاکے نام سر فہرست ہیں۔مضمون پر اقبال شناسی کی تحریک کے اثرات نمایاں ہیں۔

سید احمد بریلوی کی تحریک

بلوچستان میں اکیسویں صدی ۲۰۰۱ع تا ۲۰۱۶ع کے مضامین میں سید احمد بریلوی کی تحریک کے اثرات نہیں ملتے۔ان کی تحریک جہاد نے مسلمانوں کے سوئے ہوئے قلوب کو بیدار کیا،جو غلامانہ ذہنیت کی وجہ سے

ان کا خاصہ بن چکی تھی۔اب کے ملی شعور اور مذہبی تقدس بہ حال کرنے میں مذکورہ تحریک کی افادیت سے انکار ممکن ہے۔انہوں نے اس خطے (بلوچستان)کے لوگوں سے مدد طلب کی کہ ان کے ساتھ مل کر جہاد کریں۔ان کے جہادمیں یہ نکتہ اہم تھا کہ اسلامی عقائد میں جو تبدیلی کی جا رہی ہے،اس عمل کے خلاف سر گرم جہاد کیا جائے۔ان مقاصد کے لیے انہوں نے بلوچستان کے راسخ العقیدہ لوگوں کو اکھٹا کیا۔

جہاد کے لیے مسلمانی جذبے اور دینی حمیت کا تر و تازہ رہنا ضروری ہے۔اکیسویں صدی میں اردو کی غیر افسانوی صنف’مضمون‘میں جہاد کے موضوع پر کوئی صحت بخش اور تسلی افزا مواد موجود نہیں ہے۔اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بلوچستان میں ادباء کی اکثریت ترقی پسند افکار سے متاثر ہے۔ترقی پسند ادیب سے خالص مسلمانہ جذبات کی توقع کرنا اولاً بے کار ہے۔دوم یہ کہ موجود ہ دور میں الیکٹرانک میڈیا کے زیر اثرجہاد کو دہشت گردی کے نام سے موسوم کیے جانے کا رواج عام ہو چکا ہے۔ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جہاد جیسے مقدس اسلامی جذبے کو ’دہشت گردی‘کا نام دے کر بدنام کیا جا رہا ہے۔فرقہ وارانہ تنظیمیں جس طرح سے ایک دوسرے کے خلاف بر سر پیکار ہیں،اور اپنے فرقہ وارانہ تعصب کو جہاد کا نام دے رہے ہیں،اس عمل نے پڑھے لکھے طبقے کو جہاد سے بد ظن کر دیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ادیب بھی اس موضوع پر قلم اٹھانے سے کتراتے ہیں۔ان حالات نے دنیائے ادب کے خالقوں کے لیے یہ سوال پیدا کر دیا ہے کہ کیا بہ حیثیت مسلمان،ادیب جہاد کو بالکل فراموش کر دیں گے؟مضامین میں دہشت گردی کے موضوع پر مواد موجود ہے۔مگر’جہاد‘کے موضوع پر کسی بھی مضمون نگار نے اپنے خیالات کا اظہار نہیں کیا۔انعام الحق کوثر نے ’بلوچستان میں اردو‘میں تاریخی حوالے سے سید احمد بریلوی اور سید اسماعیل شہید کی تحریک جہاد کا تذکرہ کیا ہے،مگر ان کے بعد اس پہلو پر مزید کسی نے تحقیق نہیں کی۔اس لیے بلوچستان میں اکیسویں صدی کے مضامین میں مذکورہ تحریک کے اثرات نہیں ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ شاہ،محمد،مری،توکلی سے مست توکلی تک،مشمولہ قلم قبیلہ،کوئٹہ،جنوری تا مارچ۲۰۰۲ع،ص۹۵
۲۔ ثاقبہ،رحیم الدین،شاہ عبدالطیف بھٹائی پیکر محبت،مشمولہ قلم قبیلہ،کوئٹہ،جنوری تا مارچ ۲۰۰۷ع،ص۵۲
۳۔ وحیدزہیر،ادب اور سرمایہ دارانہ ترقی،مشمولہ بر وقت،کوئٹہ،سنگت اکیڈمی آف سائنسز،۲۰۱۶ع،ص۱۰
۴۔ وحیدزہیر،ادب اور جمہوریت،مشمولہ بر وقت،کوئٹہ،سنگت اکیڈمی آف سائنسز،۲۰۱۶ع،ص۱۷
۵۔ وحیدزہیر،انسانی حقوق ادیب و فن کار،مشمولہ بر وقت،کوئٹہ،سنگت اکیڈمی آف سائنسز،۲۰۱۶ع،ص۱۹
۶۔ کمیل علی،قزلباش،ایک تثلیث سحر انگیز اقبال حیدر نمبر،مشمولہ قلم قبیلہ،کوئٹہ،جنوری تا مارچ۲۰۰۲ع،ص۱۳۴
۷۔ حکیم بلوچ،بانک سیمک کے آنسو جو بادلوں نے برسائے،مشمولہ قلم قبیلہ،کوئٹہ،۲۰۰۳ع،ص۸۵
۸۔ حکیم بلوچ،بانک سیمک کے آنسو جو بادلوں نے برسائے،مشمولہ قلم قبیلہ،کوئٹہ،۲۰۰۳ع،ص۸۳
۹۔ وحیدزہیر،نوجوان اورجدید علمی تقاضے،مشمولہ بر وقت،کوئٹہ،سنگت اکیڈمی آف سائنسز،۲۰۱۶ع،ص۴۷
۱۰۔ عبدالقادر،شیخ،بانگ درا،لاہور،اسد نیر پرنٹرز،۲۰۰۹ع،ص۹
۱۱۔ حمید اللہ،صاحب زادہ،علامہ عبد العلی اخوند زادہ،مشمولہ قلم قبیلہ،کوئٹہ،جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ع،ص۶۶
۱۲۔ وحید زہیر،علامہ اقبال ان بریکٹ،مشمولہ قلم قبیلہ،کوئٹہ،جنوری تا مارچ۲۰۰۲ع،ص۱۳۰
۱۳۔ قاضی،افشاں،پروفیسر سعید احمد رفیق کی خدمات،مشمولہ قلم قبیلہ،کوئٹہ،۹۵
۱۴۔ سہ ماہی قلم قبیلہ شمارہ ۲۰۰۶ع میں ڈاکٹر علی دوست بلوچ نے ایک مضمون”عاجز انسان کا دل“کے عنوان سے تحریر کیا ہےمضمون میں بلوچستان میں فکر اقبال اور تراجم کلام اقبال کے حوالے سے بلوچ ادباء کی خدمات کا تجزیہ کرنے کے علاوہ اقبال کی شاعرانہ عظمت پر بھی اظہار خیال کیا گیا ہےیہی مضمون اس سے قبل قلم قبیلہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ع میں ”بلوچی ادب اور علامہ اقبال“کے عنوان سے شائع کیا گیا۔
۱۵۔ غوث بخش صابر،علامہ اقبال اور بلوچستان،مشمولہ قلم قبیلہ،کوئٹہ،اپریل ۲۰۱۰ع،ص۳۹
۱۶۔ سعید،احمد،رفیق،وجودیت،مشمولہ قلم قبیلہ،کوئٹہ،۲۰۰۸ع،ص۶